ہماری ہر عادت اللہ کے حکم اور فرمان کے مطابق ہونی چاہئے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۸ جولائی ۱۹۶۹ء بمقام مسجد مبارک۔ ربوہ)

☆ انسان کی صحیح نشو ونما کے لئے عادت ایک بڑی ضروری چیز ہے۔

☆ نکما پن ایک نہایت ہی مہلک چیز ہے۔

☆ نکمے پن کی عادت کی وجہ سے سفارش جنم لیتی ہے۔

☆ وقت کا ضیاع ایک قومی نقصان ہے۔

☆ قرآن کریم نے منصوبہ بندی کی طرف بہت توجہ دلاتی ہے۔

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

پچھلے چند خطبات سے میں اسلام کے اقتصادی نظام کے متعلق سلسلہ وار ایک مضمون بیان کر رہا ہوں۔ میں بتا چکا ہوں کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے ربّ کی عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور حقیقی اور خالص عبادت انسان سے گیارہ تقاضے کرتی ہے جن کا ذکر قرآن کریم کی ایک آیت کے اس ٹکڑا میں بیان ہوا ہے کہ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البينة: ٦)

دین کے گیارہ معنے یہاں چسپاں ہوتے ہیں چونکہ خالص عبادت انسان کے ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھتی ہے اس لئے ان گیارہ کے گیارہ تقاضوں کا تعلق اسلام کے اقتصادی نظام سے بھی ہے۔

پانچ تقاضوں کے متعلق میں اس سے قبل بتا چکا ہوں صحیح اور حقیقی عبادت کا چھٹا تقاضا یہ ہے کہ عادت اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہو کیونکہ ’’الدین‘‘ کے معنے ’’العادۃ‘‘ کے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اس کی نشوونما کے لئے ایک قوت یہ بھی رکھی ہے کہ وہ اپنے اندر جسمانی اور روحانی مدارج کے حصول کے لئے عادت صحیحہ پیدا کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو یہ قوت عطا ہونا واقعی اس پر بڑا رحم ہے۔

روحانی لحاظ سے مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو جو مخلصین کی جماعت ملی تھی جماعت احمدیہ میں داخل ہونے سے قبل انہیں خدا تعالیٰ اور اسلام کے لئے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے قیام کے لئے ایک آنہ خرچ کرنے کی بھی عادت نہیں تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کو مالی قربانی دینے کی عادت ڈالنی شروع کی۔ ابتداء میں بعض لوگوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں ایک چونی دی اور آپ نے ان کا نام اپنی کتاب میں لکھ دیا چنانچہ اب قیامت تک ان کی وہ قربانی یاد رکھی جائے گی۔ شاید نئی نسل یہ پڑھ کر حیران ہو کہ اس سے زیادہ تو اطفال اپنے جیب خرچ سے بچا کر دے

دیتے ہیں اس لئے کیوں اس وقت کی قربانی کو اتنی اہمیت دی گئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کر کے ان لوگوں کو ایک ابدی زندگی عطا کی جس کے نتیجہ میں قیامت تک ان کی نسلیں ان کے لئے دعائیں کرتی اور ان پر درود بھیجتی رہیں گی۔ دراصل یہ اہمیت اس لئے دی گئی کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک دھیلا خرچ کرنے کی بھی عادت نہیں تھی ان کے لئے تو چونی بھی بڑی چیز تھی اور پھر یہی لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد زندگی دی اور جن کے لئے ان کی صحیح تربیت کے نتیجہ میں صحیح عادتیں پیدا ہو جانے کی وجہ سے رفعتوں کا حصول بڑا آسان ہو گیا تھا۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں قربانیوں پر قربانیاں دیں۔ مگر خدا تعالیٰ اور اس کے بندے پر احسان نہیں جتایا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم فضل سمجھا۔

غرض انسان کی صحیح نشوونما کے لئے عادت ایک بڑی ضروری چیز ہے۔ پہلوان جب ڈنڈ پیلتے ہیں تو وہ اپنے شاگردوں کو کہتے ہیں کہ پہلے پانچ ڈنڈ نکالو اور پھر دس بیس دفعہ غرض جوں جوں جسم کو ان کی عادت پڑتی جاتی ہے توں توں ڈنڈ پیلنے کی تعداد بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس سے ہمیں یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ کسی موقع پر بھی یہ نہ سمجھ لینا کہ اس وقت تمہاری قوتوں کی جو حالت ہے وہ اس کا کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ- (البينة: ٦)

کہ تم میں ہر عادت جو پیدا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ماتحت ہو۔ فرمان الٰہی کے ماتحت ہو انسان کو بحیثیت انسان مختلف قسم کی جو قوتیں اور قابلیتیں عطا کی گئی ہیں اس کی عادات ان کی نشوونما میں ممد ہوں انہیں ہلاکت کی طرف لے جانے والی نہ ہوں۔ انسان کو نیکی اور بدی کی اجازت واختیار کے نتیجہ میں اس کے اندر اچھی اور بری ہر دو قسم کی عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں بری عادت سے بچنا اور نیک عادات پیدا کرنا حقیقی اور سچی عبادت کے لئے ضروری ہے۔

ایک بہت بُری عادت جسے بعض مخفی ایسوسی ایشنز (Associations) نے بعض اوقات میں بعض جگہوں پر جان بوجھ کر ان لوگوں کو تباہ کرنے کے لئے جن کو وہ اپنا مخالف سمجھتی تھیں یا جن کو تباہ کرنے میں وہ اپنا فائدہ دیکھتی تھیں اس قسم کی عادت پیدا کرنے کے لئے کوشش کی ہے۔ یہ نکما پن کی عادت تھی۔ میرے نزدیک نکمے پن کی تعریف یہ ہے کہ انسان کے قویٰ پر اتنا بوجھ نہ ڈالنا جتنا بوجھ وہ اپنی نشوونما کے

اس مخصوص دور میں برداشت کرسکتا ہے۔ یہ بوجھ بتدریج بڑھتے چلے جاتے ہیں ممکن ہے بعض قسم کے بوجھ آخری عمر میں گھٹتے ہی چلے جائیں۔ لیکن بہر حال جسمانی طور پر (روحانی طور پر تو وہ نہیں گھٹتے) نشو ونما کے ابتدائی دور میں یہ بوجھ بڑھتا چلا جاتا ہے لیکن کسی کا اپنی قوت اور قابلیت پر اتنا بوجھ نہ ڈالنا جتنا وہ نشو ونما کے اس دور میں یا اس مخصوص وقت میں برداشت کرسکتا تھا یہ نکما پن ہے۔ بوجھ کا ایک حصہ وقت سے تعلق رکھتا ہے کہ اتنا وقت کام کرو۔ اب یہ تو درست ہے کہ ہر آدمی کے کام کی نوعیت مختلف ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لئے اس کو ایک طاقت دی ہے۔ پس جتنا زیادہ سے زیادہ بوجھ وہ برداشت کرسکتا ہو (اپنے وہم کے نتیجہ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت کے نتیجہ میں) اتنا وقت اپنے کام میں خرچ کرنا چاہئے۔ اگر وہ اتنا وقت خرچ نہیں کرے گا تو وہ اس کام میں زیادہ قوت لگا نہیں سکے گا۔ دنیا کے کاموں میں تو شاید ہم ٹھہر جائیں۔ لیکن روحانی طور پر تو اوقات بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ انسان کسی اور رنگ میں کسی اور طرف سے کچھ بچا تا ہے اور ادھر دے دیتا ہے۔

پس نکما پن ایک نہایت ہی مہلک چیز ہے یہ عادت روحانی لحاظ سے بھی، اخلاقی لحاظ سے بھی اور (ہم چونکہ اس وقت اقتصادیات کی بات کر رہے ہیں اس لئے) اقتصادی لحاظ سے بھی بڑی ہی مہلک ہے فرض کریں ہم نے کسی چیز کی پیداوار معلوم کرنے کے لئے سال یونٹ مقرر کیا ہے اس اعتبار سے کسی فرد یا خاندان یا ملک کی سال کی مجموعی پیداوار اس کی دولت متصور ہوگی یہ کاغذ پر پرنٹ کئے ہوئے نوٹ (روپے) اصل دولت نہیں بلکہ کسی فرد یا کسی خاندان کی یا کسی ملک کی دولت وہ پیداوار ہے جو ایک سال کے اندر ہوتی ہے اگر کسی ملک کے باشندے اپنے اوقات کار میں سے بیس فیصدی ضائع کر دیتے ہیں بیکار بیٹھے گپیں ہانکتے رہتے ہیں، سینما میں چلے جاتے ہیں اور دوسری قسم کے شوز (Shows) دیکھنے لگ جاتے ہیں اور اپنے اصل کام کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دیتے تو اس ملک کی پیداوار سو کی بجائے اسّی رہ جاتی ہے۔ اس پر اگر وہ شور مچائیں کہ ہماری ساری ضرورتیں پوری کرو تو ظاہر ہے کہ جب انہوں نے وہ چیز پوری پیدا ہی نہیں کی تو کس طرح سب کی ضرورتیں پوری اور سب کے حقوق ادا ہو سکتے ہیں۔

اگر ایک طالب علم روزانہ بارہ گھنٹے کی بجائے یا دس گھنٹے پڑھنے کی بجائے صرف تین گھنٹے پڑھائی کرے اور باقی وقت ضائع کر دے اگر فرض کریں ہمارے کالجوں میں ایک لاکھ طالب علم ہوں تو اس طرح نکمے پن کی وجہ سے روزانہ تعلیم کے نو لاکھ گھنٹے ضائع ہوئے یعنی انہوں نے اپنی پڑھائی کے اوقات

میں سے ۷۵ فیصدی حصہ نکمے پن کی وجہ سے ضائع کر دیا۔ پس ایک ایسی قوم جس کے طالب علم اتنے کاہل ہوں وہ ایک ایسی قوم سے جس کے بچے اپنے اوقات میں سے بمشکل ایک فیصدی وقت ضائع کرتے ہوں (کوئی نہ کوئی استثنا تو ہر جگہ ہوتا ہے) دنیوی اعتبار سے کیسے مقابلہ کر سکتی ہے۔

آکسفورڈ میں جو طالب علم کلاس کی پڑھائی کے علاوہ دس بارہ گھنٹے روزانہ پڑھتا تھا وہ پڑھائی میں بڑا اچھا طالب علم سمجھا جاتا تھا اور جو طالب علم روزانہ اوسطاً سات آٹھ گھنٹے پڑھتا تھا اس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ درمیانے درجے کا طالب علم ہے جبکہ چار پانچ گھنٹے روزانہ پڑھائی کی اوسط بتانے والے طالب علم کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ بڑا آوارہ ہے اس کو پڑھائی کی طرف توجہ نہیں لیکن ہمارے ملک میں روزانہ چار پانچ گھنٹے کی اوسط سے پڑھنے والا ٹاپ (Top) کے سکالرز (Scholars) میں شمار ہوتا ہے۔

پس اگر معیار میں یہ فرق ہو تو اس محنتی قوم کے ساتھ ہمارے بچے ان تمام اچھے ذہنوں کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کئے ہیں کیسے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکمے پن کی عادت بنیادی طور پر بڑی مہلک ہے۔ اور اقتصادیات پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ پیداوار اور پیداوار کی تیاری اس سے شدید متاثر ہوتی ہے۔ میں نے طالب علم کی مثال دی ہے اور وہ اقتصادی مثال ہی ہے کیونکہ وہ مستقبل کی پیداوار کی تیاری ہے اگر ہم ٹیکنیشن (Technician) نہیں بنائیں گے اگر ہمارے ہاں انجینئرز (Engineers) طالب علم نہیں ہوں گے اگر ڈاکٹر نہیں ہوں گے اگر وکیل نہیں ہوں گے اگر پولی ٹیکنیشن (Polytechnics) میں پڑھنے والے نہیں ہوں گے اور جو ہوں گے وہ وقت ضائع کرنے والے ہوں گے تو ہماری پیداوار کیسے سو فیصد ہوگی۔

غرض یہ طالب علمی کا زمانہ اقتصادی پیداوار کی تیاری کا زمانہ ہے یعنی اس نسل نے آگے جا کر اپنے اپنے فن، مہارت اور کوشش کے نتیجہ میں اقتصادی طور پر کچھ پیدا کرنا ہے یا اس نے مادی چیزیں پیدا کرنی ہیں جیسے کارخانوں میں کپڑے بنتے ہیں یا اس نے سروسز (Services) پیدا کرنی ہے۔ جیسے ڈاکٹر کی سروس ہے۔ وکیل کی سروس ہے۔ اقتصادی زبان میں ان سروسز کو کموڈی ٹی (Commodity) بھی کہا جاتا ہے یہ سروسز اقتصادیات کا ایک باقاعدہ حصہ ہیں۔ پس اقتصادی میدان میں بھی نکمے پن کا پیدا نہ ہونے دینا ایک اہم اور بنیادی چیز ہے۔

اس نکمے پن کی عادت کی اصل محرک اور سب سے بڑا سبب بعض تخریب پسند خفیہ انجمنیں ہیں جس طرح انسان کی پیدائش کے وقت سے شیطان اس کے ساتھ لگا ہوا ہے اسی طرح یہ انجمنیں بھی ہزاروں سال سے تخریبی کام کرتی چلی آ رہی ہیں جہاں بھی ان کو موقعہ ملتا ہے وہ اپنا کام کرتی چلی آ رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں میں صرف ایک مثال دے دیتا ہوں۔ وہ بھی پرانی ہے تا کہ کسی کو اپنی طرف خیال نہ چلا جائے۔

یہ ۱۸۲۲ء کی بات ہے، ایک خفیہ انجمن کے ایک لیڈر نے جس کا نام Petittiger تھا اپنے ایک ماتحت افسر کو جو کسی دوسری جگہ خفیہ کام کر رہا تھا ایک ہدایت نامہ بھجوایا۔ اس ہدایت نامہ کا پہلا حصہ اس نکما پن کی مثال سے تعلق نہیں رکھتا لیکن اس حصہ کو بھی سن لیں تو اچھا ہے شاید یہ کسی وقت میرے بھی اور آپ کے بھی کام آ جائے۔ وہ لکھتا ہے:

"It is essential to isolate the man from his family and cause him to lose his morals"

کہ دنیا میں ہم جو شرارت اور تباہی مچانا چاہتے ہیں اور جو تخریبی کارروائی کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان کو اس کے خاندانی بندھنوں سے آزاد کر دیا جائے اور اس کے اندر بداخلاقی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

ایک تو یہ ہدایت تھی دوسرے جہاں سے میں نے یہ اقتباس لیا ہے وہاں اس نے پہلے کچھ الفاظ چھوڑے ہوئے ہیں یعنی ڈاٹس (Dots) ڈالے ہوئے ہیں اور ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس خالی جگہ سے اس کی کیا مراد تھی، وہ لکھتا ہے:

"He loves the long talks of the cafe, the indleness of the shows ..... teach him discreetly to tire of his daily work, and in this way...... after having shown him how tiresome all duties are inculcate in him the desire for another existence."

(Trail of the serpent by inquire within page 91 published by britons publishing co, North Devon 1936)

’’یعنی ایک تو اس کے اندر بداخلاقی پیدا کرو اور پھر ایسے حالات پیدا کرو کہ اس کے اندر یہ عادت پیدا ہو جائے کہ وہ ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر یا کلب میں بیٹھ کر یا اپنے گھر کے

ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر (جگہ سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا) چائے یا کافی (Coffee) کی ایک پیالی پر لمبی لمبی گپیں مارنے کا عادی بن جائے اس طرح جب وہ رات کو دیر سے سوئے گا تو صبح دیر سے اور تھکا ہوا اُٹھے گا، جس کے نتیجہ میں اس کے قویٰ سو فیصدی صحیح اور نتیجہ خیز کام نہیں کر سکیں گے۔ اسی طرح اس کو سینما، تھیٹر اور کئی قسم کے دوسرے تماشے دیکھنے کی عادت ڈالو اور بڑی ہوشیاری سے اسے یہ بات ذہن نشین کرا دو کہ یہ روز روز کی مزدوری تو بڑی مصیبت ہے۔‘‘

ایک شخص جس نے سارے خاندان کو پالنا ہے اور قوم بنانی ہے اس کو یہ سکھایا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ محنت اور مزدوری تو ایک مصیبت ہے ایک تباہی ہے جو اقتصادی لحاظ سے امراء نے مچا رکھی ہے اور اس طرح اس کے دماغ میں یہ ڈال دو کہ یہ جو ہم ایک سبز باغ دکھا رہے ہیں (کمیونزم یا اشتراکیت وغیرہ) اس Existence (زندگی) سے اس کو پیار ہونے لگ جائے کیونکہ یہ نظریہ زندگی بظاہر اس سے کہے گا کہ کام کرنے کی ضرورت نہیں بس ہر چیز مل جائے گی ہر ضرورت پوری ہو جائے گی۔ امراء سے چھین چھان کر تمہاری ضرورتیں پوری کر دیں گے۔ حالانکہ نہ انہوں نے اس نظریہ پر عمل کیا ہے اور نہ عقلاً کر سکتے ہیں لیکن جب کسی کو احمق بنانا ہو تو جس چیز سے کوئی دوسرا احمق بن جائے احمق بنانے والا وہ چیز اس کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

میں یہ بتا رہا تھا کہ نکمے پن کی عادت ان بنیادی مہلک عادتوں میں سے ہے جو انسان کی زندگی کو ہر لحاظ سے تباہ کر دیتی ہیں اور اس عادت کا اقتصادیات پر بھی گہرا اثر پڑتا ہے اگر کسی فرد یا خاندان یا قوم کو نکما بیٹھنے کی عادت ہے تو اس فرد کی اس خاندان کی، اس قوم کی اقتصادی زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔ نوجوان نسل کا نکما پن بھیانک اور بے آبرو مستقبل کا ضامن ہے۔

انگلستان میں اس وقت مصیبت پڑی ہوئی ہے کیونکہ میں نے اوپر جو حوالہ پڑھا ہے وہ ۱۸۲۲ء کا ہے جس سے یہ بات عیاں ہے کہ وہاں خفیہ انجمنوں کی تخریبی کارروائیاں بہت پہلے سے شروع ہیں مجھے (قیام انگلستان کے دوران میں) احمدی مزدوروں نے بتایا کہ ہم سے یہ انگریز مزدور بڑے ناراض رہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تم اتنا کام کیوں کرتے ہو؟ ہماری طرح نکما پن کیوں اختیار نہیں کرتے؟ وہاں کے مزدوروں میں نکمے پن کی عادت کا یہ حال ہے کہ اگر ایک مزدور اپنے نگران سے کہے

کہ مجھے پیشاب آیا ہے تو اس کا نگران باوجود یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ بہانہ بنا رہا ہے اسے روک نہیں سکتا ورنہ انگلستان بھر میں ایک ہنگامہ بپا ہو جائے اور لوگ بھڑوں کی طرح پیچھے پڑ جائیں کہ جی اتنا ظلم! پیشاب کرنے سے روکا گیا ہے لیکن عملاً ہوتا یہ ہے کہ ایک مزدور کہتا ہے میں نے پیشاب کرنے جانا ہے مگر وہ اخبار ہاتھ میں پکڑتا ہے سگریٹ کی ایک ڈبیا جیب میں ڈالتا ہے اور پیشاب کرنے چلا جاتا ہے اور ایک گھنٹہ تک اخبار پڑھ کر اور سگریٹ کی ڈبیا ختم کر کے آرام سے باہر نکل آتا ہے کوئی بھی اسے کچھ کہہ نہیں سکتا ورنہ لیبر یونین یا ٹریڈ یونین والے انتظامیہ کے پیچھے پڑ جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کی حالت اقتصادی اور اخلاقی ہر دو لحاظ سے (یہاں دونوں کا ذکر ہو چکا ہے) اتنی گر گئی ہے کہ وہاں کے بعض عقلمند لوگ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اس کی اصلاح نہ کی گئی تو ہم تباہی کے گڑھے میں گر جائیں گے۔ ویسے اس لحاظ سے وہ قابل رحم بھی ہیں کہ وہ ان بیماریوں میں خود مبتلا نہیں ہوئے بلکہ خفیہ انجمنوں نے بڑی کوشش سے، بڑی ہوشیاری سے انہیں ان بیماریوں میں مبتلا کیا ہے۔

نکمے پن کی عادت کی وجہ سے ایک اور بنیادی خرابی جنم لیتی ہے اور وہ سفارش ہے۔ مثلاً ایک طالب علم دوران سال محنت نہیں کرتا امتحان قریب آتا ہے تو اسے فکر ہوتی ہے میں پاس نہیں ہوسکوں گا چنانچہ جب وہ امتحان کے ہال میں جاتا ہے تو بعض دفعہ چاقو سے سفارش کرواتا ہے ایک دفعہ پنجاب یونیورسٹی کے ایک سنٹر میں جو صاحب امتحان لینے گئے انہوں نے پہلے ہی دن یہ نظارہ دیکھا کہ ہر لڑکے نے ساڑھے پانچ انچ بلیڈ کا سپرنگ والا چاقو کھول کر اپنے اپنے ڈسک پر رکھ لیا اور آرام سے ایک دوسرے سے پوچھ کر اور کتابیں نکالکر پرچہ حل کرنا شروع کر دیا بیچارے امتحان لینے والے کا برا حال ہو گیا وہ ڈر کے مارے کچھ کہہ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے یونیورسٹی کو رپورٹ کی وہ سنٹر بند ہوا پھر یونیورسٹی نے ہمارے کالج کو لکھا (جس سے ہمیں اصل واقعہ کا علم ہوا) کہ آپ اپنے کالج کے سٹاف میں سے کوئی ایسا ممبر دیں جو وہاں جا کر دلیری سے امتحان لے یہ تو چاقو کی سفارش تھی پھر پیسے کی سفارش اور اثر ورسوخ کی سفارش الگ ہے۔

آخر سفارش کی ضرورت کیوں پڑی؟ سفارش کی ضرورت اس لئے پڑی کہ سفارش کروانے والے مثلاً طالب علم نے اپنی زندگی کے ایک دور میں (جو ہماری مثال میں اس کا امتحان سے پہلے سال دو سال کا دور ہے) اپنے اوقات کو صحیح طور پر خرچ کرنے کی بجائے گپیں ہانکنے، یونہی بیکار ہوائی قلعے تعمیر کرنے،

سوئے رہنے اور اسی طرح کی نکما پن کی دوسری عادتوں میں اپنا وقت ضائع کر دیا۔ جب امتحان قریب آیا، اس کو فکر پیدا ہوئی، فیل ہو گیا تو بدنامی ہوگی سال مارا جائے گا۔ اس کو یہ بھی نظر آ رہا ہوتا ہے کہ شاید سفارش پر اس کو نوکری بھی مل جائے اگر پاس نہ ہوا تو کوئی اور آدمی سفارش کروا کر وہ جگہ لے جائے گا چنانچہ وہ سفارش کروا کر پاس ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

دراصل اس نکمے پن کی وجہ سے انسان کے قویٰ صحیح اور پورے طور پر نشوونما حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے اوپر وہ زیادہ سے زیادہ بوجھ نہیں پڑا، جس کے اٹھانے کے لئے اس نے تدریجی طور پر خود کو قابل بنا لینا تھا مزید بوجھ اُٹھانے کا اگر وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق جس میں تدریج کارفرما ہوتی ہے اپنے مقام اور وقت کے لحاظ سے اور تربیت کے لحاظ سے اور حاصل کردہ نشوونما کے لحاظ سے جتنا بوجھ اُٹھا سکتا تھا اُٹھاتا تو سفارش کی ضرورت بھی نہ پڑتی اور قوم کو ایک ذہن کے ضائع ہونے کا نقصان بھی نہ ہوتا۔

سفارشوں سے حصول مال کی کوشش بھی نکمے پن کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قوت عطا کی ہے اور ساتھ ہی ہمیں تسلی بھی دی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو قوت تو اتنی دی کہ وہ صرف پانچ افراد کا پیٹ بھر سکے یا کپڑے وغیرہ کا انتظام کر سکے اور ان کی دوسری اقتصادی ضروریات کا کما حقہ خیال رکھ سکے لیکن عملاً اس کا خاندان دس افراد پر مشتمل ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو تسلی دیتا ہے کہ میں صرف رحیم ہی نہیں، بلکہ رحمان بھی ہوں۔ تم اپنی طرف سے پوری کوشش کرو اپنی طاقت اور قوت کو خرچ کرو تمہیں اس کا بدلہ مل جائے گا اس طرح خدا کی صفت رحیمیت کے ماتحت پانچ افراد کا تو گزارا ہو گیا باقی پانچ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اسے تسلی دی کہ میری صفت رحمان بھی ہے میں نے ان کا انتظام کیا ہوا ہے۔ میں نے ان کے حصہ کا مال کسی اور کو دیا ہوا ہے اور اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ تمہارے باقی ماندہ افراد کے حق کو تمہارے تک پہنچائے تا کہ تمہارے حقوق پورے ہوں۔ لیکن جو شخص نکما رہتا ہے اس کی قوتیں اپنے نشوونما کے کمال تک نہیں پہنچ سکتیں۔ ایک بیمار پھل کی طرح اس کی نشوونما بھی داغدار ہوگی اس کی شخصیت کی اس کے نفس کی کما حقہ نشوونما نہیں ہو سکے گی اور اس طرح انسان کا مقصد حیات پورا نہیں ہو سکے گا کیونکہ خدا تعالیٰ اپنے بندے میں اپنی صفات کا ظل دیکھنا چاہتا ہے یہی اس کی پیدائش کی غرض ہے اور عبادت الٰہی کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حسن میں رنگین ہو جائے اور اس کے احسان کے

جلوے اس کے نفس سے پھوٹنے شروع ہو جائیں یہ عبادت کا ایک طبعی نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی غرض کے لئے پیدا کیا ہے اس سے نہ صرف خود انسان کو فائدہ ہوتا ہے بلکہ دنیا کو بھی فائدہ پہنچتا ہے لیکن ایک شخص جسے مثلاً اللہ تعالیٰ نے ترقی کرنے کی سوا کائیاں عطا کی ہوں مگر وہ اپنے نکمے پن کی وجہ سے ان میں سے پچاس کو ضائع کر دے تو وہ اس سیب کی طرح ہے جس کا آدھا حصہ گلا سڑا ہوا ہوتا ہے یا اس کی حالت اس آم کی سی ہے جس کی ایک طرف کیڑا لگ جاتا ہے اور دوسری طرف سے قابل استعمال بھی ہوتا ہے یا ایک ایسی سیڑھی کی طرح ہے جو درمیان میں سے ٹوٹ گئی ہو یا اس کی مثال ایسے پرندے کی ہے جس کے اڑن پروں (پرندوں کے جو پَر ہوتے ہیں ان کے بعض حصے پرندے کو اڑنے میں مدد دیتے ہیں اور بعض اس کے Balance (توازن) کو قائم رکھنے میں مدد دیتے ہیں) میں سے دو چار پَر گر گئے ہوں اور وہ اتنی پرواز کے قابل نہ رہا ہو جتنی پرواز کی طاقت اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کر رکھی ہے۔ ہم نے بعض دفعہ شکار کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ اگر کسی مرغابی کے پر کا اگلا حصہ معمولی سا بھی زخمی ہو جائے تو وہ اپنی ڈار کے ساتھ اڑ نہیں سکتی۔ غرض جو چیز اپنی ڈار کے ساتھ اڑ نہیں سکتی اس کے متعلق آپ سمجھ سکتے ہیں کہ پھر وہ منافقوں کی ڈار کے ساتھ مل جاتی ہے۔ منافق کے اندر بھی پہلے تھوڑی سی کمزوری پیدا ہوتی ہے پھر گلے شکوے پیدا ہوتے ہیں جس کی ذمہ داری دراصل خود اس پر عائد ہوتی ہے پھر وہ ایسی تکلیف محسوس کرتا ہے جو درحقیقت کسی اور کی پیدا کردہ نہیں ہوتی۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا اور ہمیں قابلیتیں اور طاقتیں عطا کیں اور ہمیں حکم دیا کہ تم اپنی قابلیت کی زیادہ سے زیادہ نشوونما کرو اور ساتھ یہ تسلی بھی دی کہ میں نے تمہاری طاقتوں اور قابلیتوں کی نشوونما کو کمال تک پہنچانے کے سامان بھی پیدا کر دیئے ہیں لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی دَین یا عطا کو ضائع کر دیتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے کسی کے عضلوں کو بڑا مضبوط بنایا ہے مگر وہ اپنی اس طاقت کو عیاشی اور مختلف نشوں کی وجہ سے ضائع کر دیتا ہے تو وہ اپنے کمال کو پہنچ نہیں سکتا۔ مختلف قسم کے نشے انسان کی جسمانی اور ذہنی طاقتوں کو مضمحل اور اس کی اخلاقی اور روحانی طاقتوں کو تباہ کر دیتے ہیں پھر ایسا انسان ان رفعتوں تک پہنچ نہیں سکتا جن رفعتوں تک پہنچنا اللہ تعالیٰ اس سے چاہتا تھا اور جن رفعتوں تک پہنچنے کو اللہ تعالیٰ پیار کی نگاہ سے دیکھتا اور اپنی محبت سے نوازتا مگر جس شخص نے اپنے ربّ کی معرفت کو حاصل کیا جس نے اپنے نفس کو پہچانا جو علیٰ وجہ البصیرۃ اس حقیقت پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نہایت ہی

اعلیٰ اور ارفع درجہ کے قرب کے حصول کے لئے پیدا کیا ہے مگر پھر وہ اپنی غفلت کوتاہی اور نکمے پن کی وجہ سے اس مقام کو حاصل نہیں کر سکا۔ اس سے بڑھ کر اور دوزخ کیا ہوگی جس میں وہ اس احساس کی وجہ سے جلتا رہتا ہے کہ میں نے تو اپنے ربّ کی محبت اور پیار کو حاصل کرنا تھا مگر میں اپنے گناہوں کی وجہ سے اسے حاصل نہیں کر سکتا۔

بہر حال دنیا کے مختلف ملکوں مختلف خطوں اور مختلف خاندانوں میں گندی عادتیں اس قدر وسعت سے پیدا ہو چکی ہیں کہ اگر میں ان کو گنوانا شروع کر دوں تو شاید ان کی ضخیم کتابیں بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اصولی طور پر تمہاری ہر عادت میرے حکم اور فرمان کے ماتحت ہونی چاہئے، تمہاری ہر عادت کو تمہاری قوتوں اور استعدادوں کی نشو ونما میں ممد ہونا چاہئے کیونکہ میں نے ان کی کما حقہ نشو ونما کے لئے سامان پیدا کر دیئے ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے مالی قربانی کی عادت ہوتی ہے وقت کی قربانی کی عادت ہوتی ہے۔ بہت سے تہجد پڑھنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہوں نے ابتدا میں ہفتہ میں ایک بار پندرہ منٹ کے لئے اٹھنا شروع کیا، پھر ہفتے میں دوبارہ پندرہ منٹ کے لئے اٹھنا شروع کیا پھر پندرہ منٹ کے لئے سارا ہفتہ اُٹھتے رہے پھر پندرہ منٹ سے ہوتے ہوتے آدھا گھنٹہ، پھر گھنٹہ اور پھر ڈیڑھ گھنٹہ تک اٹھنے کی توفیق ملی اور اس طرح عادت زیادہ سے زیادہ پختہ ہوتی گئی۔

جیسا کہ میں نے شروع میں بتایا تھا کہ انسان کا اپنے اندر نیک عادت ڈالنے کی قابلیت کی توفیق پانا اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ مبتدی کو روحانی ارتقا کے دور میں ایک عظیم مجاہدہ کرنا پڑتا ہے وہ بڑی کوشش سے اپنے نفس پر زور ڈال کر اور قربانی دے کر خدا تعالیٰ کے لئے کام کر رہا ہوتا ہے بعد میں اس پر ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اس کی عادتیں پختہ ہو کر اتنی ترقی کر جاتی ہیں کہ وہ بغیر کسی احساس کے قربانی دیتا ہے۔ حتی کہ اس کے Conscious Mind میں بھی نہیں ہوتا کہ میں خدا تعالیٰ کے لئے کچھ کر رہا ہوں۔ چنانچہ وہ اس سے بھی آگے نکل جاتا ہے اور پھر اپنی طاقت کے مطابق اور زیادہ بوجھ ڈالتا ہے تا کہ مزید ذمہ داریوں کے بجالانے کی عادت پڑے۔ ہم نے دیکھا کہ نئے احمدی شروع شروع میں کسی کے آوازے کسنے پر ہی گھبرا جاتے ہیں پتہ نہیں کیا ہو جائے گا اس معمولی سی مخالفت پر کہہ دیتے ہیں یہ تو بڑی مصیبت پڑ گئی لیکن پرانے احمدی ما شاء اللہ ۱۹۵۳ء کی آگ میں سے بھی نکل جاتے ہیں وہ ۱۹۶۸ء کی آگ میں سے بھی گزر جاتے ہیں ان کو اس مصیبت کا

احساس تک نہیں ہوتا بلکہ زبردست سے زبردست مخالفت کو بھی ہنستے ہوئے برداشت کر لیتے ہیں۔ ان کی قوت برداشت کا تو یہ عالم ہے کہ ۱۹۴۷ء کی آگ میں سے بھی ہنستے ہوئے نکل آئے تھے حالانکہ حکومت بھی ظالم اور لوگ بھی خونخوار بنے ہوئے تھے سکھوں کو بھی ایک جنون تھا آخری دنوں میں مسجد مبارک کی دیواروں پر قریباً روزانہ ہی گولیاں آ کر لگا کرتی تھیں گرمیوں کے دن تھے ہم اوپر بیٹھے قہقہے لگا رہے ہوتے تھے کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی تھی کیونکہ قربانیاں دینے سے مخالف حالات کا مقابلہ کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ جب اس قسم کی عادت پیدا ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کہتا ہے اور آگے بڑھو میرے اور قریب آ جاؤ لیکن بری عادت اس سے الٹ سمت میں چل رہی ہوتی ہے یعنی وہ انسان کو خدا تعالیٰ سے دور سے دور تر لے جا رہی ہوتی ہے آج آدھ گھنٹہ ضائع کر دیا ریسٹورنٹ میں بیٹھے گپیں لگاتے رہے پھر اور شوق پیدا ہوا پہلے ہفتہ میں ایک دن ضائع کرتے تھے پھر دو دن اور پھر تین دن حتی کہ سارا ہفتہ ہی ضائع کرنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اس کا نتیجہ بڑا ہی خطرناک نکلتا ہے انسان کی قوتوں کی نشوونما نہیں ہو پاتی۔ انسان خدا تعالیٰ کا پیار کھو دیتا ہے دنیا کی عزت بھی چلی جاتی ہے کیونکہ دنیا کی عزت تو اس شخص کو ملتی ہے جس کو خدا تعالیٰ عزت دینا چاہے اور وہ اس کے احکام پر عمل پیرا ہونے سے ہی ممکن ہے۔

وقت کا ضیاع ایک قومی نقصان ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر سارے پاکستانی اپنی استعداد کے مطابق اقتصادی میدان میں اپنا پورا زور لگا دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا معیار زندگی ایک سال کے اندر اندر دگنا تگنا نہ ہو جائے۔ پیداوار کے حصول میں خالی ہاتھ یا پاؤں کا کام نہیں (بعض کام پاؤں سے بھی کئے جاتے ہیں) یا ہتھوڑے کا کام نہیں ہوتا بلکہ عقل کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے مثلاً ایک شخص اپنی پوری توجہ (Concentration) سے ایک کام کر رہا ہے وہ ایک چیز کو آدھ گھنٹے میں تیار کر دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ کام کرنے والا ایک دوسرا مزدور اسی چیز کو ایک گھنٹے میں بھی تیار نہیں کر سکتا۔ پس توجہ بھی تو آخر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ایک عطا ہے، ایک قوت ہے اگر یہ اور دوسری تمام طاقتیں اور قوتیں اس رنگ میں کام کرنے لگ جائیں جس رنگ میں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ کام کریں تو ہماری اقتصادی حالت دگنی تگنی اچھی ہو جائے مگر ہم دوسروں کی نقلیں اتارنے کے لئے تو تیار ہو جاتے ہیں، اپنی ذمہ داریاں نباہنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ میں عبادت کا چھٹا تقاضا یہ بتایا ہے کہ تمہاری ہر عادت اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے حکم کے تابع اور ہر برائی کے خلاف جنگ کرنے والی ہونی چاہئے اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تو پابندی کرتا ہوں لیکن میری عادتیں، میری خواہشات اور میری مرضی کے مطابق ہوں گی تو ایسا شخص پورے طور پر متقی نہیں کہلا سکتا نہ ہی وہ اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل کر سکتا ہے۔ حالانکہ عادت صحیحہ کی صورت میں وہ اپنی استعداد کے مطابق اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل کر سکتا تھا۔

حقیقی عبادت کا ساتواں تقاضا مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ میں یہ بیان ہوا ہے کہ جب تمہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی قسم کا کوئی اثر یا رسوخ حاصل ہو تو تمہارا یہ غلبہ، یہ طاقت، یہ اثر اور یہ رسوخ اور یہ راعی ہونا خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے ہو کیونکہ ’’الدین‘‘ کے ایک معنے غلبہ واقتدار کے بھی ہیں۔ جس طرح سامراجی (Imperialists) حکومتیں دنیا میں تباہی مچاتی رہی ہیں دیکھنا کہیں تم بھی اس غلبہ واقتدار کی صورت میں غیر اقوام کو اقتصادی طور پر لوٹنا شروع نہ کر دینا بلکہ ایسی صورت میں تمہارے لئے یہ ضروری ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی صفات میں رنگین ہو کر اقتصادی ذمہ داریوں کو نباہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ربّ العالمین ہے تمہیں جہاں جہاں اور جس جس رنگ میں اثر و رسوخ حاصل ہو اس کے استعمال میں ربوبیت عالمین کا تقاضا مدنظر رہنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ تم عالمین کے کسی ایک حصے کی ربوبیت اور دوسرے حصے کی ہلاکت کی تجاویز سوچنے لگ جاؤ بلکہ اس عالمین کی ہر مخلوق کی ربوبیت کے لئے کام کرنے کی تجاویز سوچنا اور پھر عملاً ان کے مطابق کام بھی کرنا تمہارا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندرونی حسن کو اجاگر کرنے کے لئے اپنی صفت رحمان کا ظل بننے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ بیشک نہ کسی سے تمہارا کوئی تعلق ہے، نہ کسی کا تم پر کوئی احسان ہے، نہ کسی سے کسی قسم کے فائدہ کی تمہیں امید ہے بایں ہمہ اگر تم دیکھتے ہو کہ کسی کے بعض حقوق اسے نہیں مل رہے تو تم اسے وہ حقوق دلوانے یا خود دینے کی کوشش کرو۔ تمہارا یہ عمل دراصل رحمانیت کا ایک جلوہ ہے کیونکہ جس کے حقوق ادا کرنے کی تم کوشش کر رہے ہو اس نے کوئی کام نہیں کیا کہ اسے اُجرت دینی ہے اس نے کوئی احسان نہیں کیا کہ اس کا بدلہ چکانا ہے۔

یہ مضمون فی ذاتہ بڑا وسیع ہے کیونکہ ہر راعی کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ جس طرح عادتیں بے شمار

ہیں اسی طرح راعی ہونا بھی ان گنت جہات سے ممکن ہے عملاً اس دنیا میں کوئی کس کس راعی کو گن سکتا ہے ۔سکول یا کالج کے لڑکے ہیں۔اب سکول کے ہیڈ ماسٹر ہوں یا کالج کے پرنسپل ان کا صرف یہی دیکھنا کام نہیں ہے کہ طلبہ کی پڑھائی ٹھیک ہو رہی ہے یا نہیں، بلکہ ان کا فرض ہے کہ وہ یہ بھی دیکھیں کہ لڑکوں کی صحت و تندرستی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے مثلاً غذا ہے، دوا ہے، یا وقت پر آرام پہنچانا ہے، ضرورت کے مطابق کپڑے مہیا کرنے ہیں کیونکہ یہ بھی صحت پر اثر ڈالتے ہیں انہیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ آیا یہ ساری چیزیں ان کے پاس ہیں یا نہیں۔اگر نہیں ہیں تو وہ ان کا انتظام کریں۔کیونکہ ہمارے رب نے فرمایا ہے کہ میں ہر انسان کو قوتیں دینے کے بعد ان کے نشوونما کے کمال تک پہنچنے کے سامان پیدا کر چکا ہوں۔اگر کسی کو وہ سامان میسر نہیں آرہے تو وہ مظلوم ہے۔اس مظلومیت سے اور اس ظلم سے چھڑانے کی کوشش کرنا ازبس ضروری ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم میری عبادت کا حق ادا نہیں کرسکو گے جب تک کہ اقتدار یعنی راعی ہونے کی حیثیت میں تمہارے کام خالصۃً میرے لئے اور میرے احکام کے ماتحت نہیں ہوں گے اگر تمہارے کام میرے لئے ہوں گے تو میری عبادت کا حق ادا ہو جائے گا تمہیں میرا پیار حاصل ہو جائے گا۔تمہیں میری رضا کی جنتیں مل جائیں گی پھر یہ دنیا وہ دنیا بن جائے گی جو میں بنانا چاہتا ہوں لیکن اگر تم راعی بننے کے ساتھ اپنی مرضی چلاؤ گے اگر تم راعی بننے کے بعد نکمے پن کی عادت کی وجہ سے ان ذمہ داریوں کی طرف توجہ نہ دو گے جن کی طرف تمہیں توجہ دینی چاہئے تو پھر تم میرے غضب کو مول لینے والے بن جاؤ گے۔

اس حصہ کا بھی ہمارے اقتصادی نظام سے بڑا تعلق ہے کیونکہ جیسا کہ (اس وقت تو میں اسی پر اکتفا کروں گا طبیعت میں کچھ کمزوری کا احساس بھی ہے) میں پہلے بتا چکا ہوں کہ قرآن کریم نے تدبیر یعنی منصوبہ بندی کی طرف شروع سے توجہ دلائی ہے۔اس سلسلہ میں یہ بات بڑی ضروری ہے کہ جو آدمی ذمہ داری کی جگہ پر ہوں (ذمہ داری کی جگہیں تو کروڑوں ہیں صرف اعلیٰ حکام ہی ذمہ داری کی جگہ پر نہیں ہوتے، ذمہ داری کے لحاظ سے گھر کا مالک بھی ذمہ دار ہے) ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے دائرہ کے اندر حالات سے واقفیت پیدا کریں۔ ہر وقت بیدار اور چوکس رہ کر اپنے ماحول میں بسنے والوں کی ضرورتوں اور حقوق کو معلوم کرنے کے بعد ان کو پورا کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں لیکن اگر وہ ضرورت

مند کی ضرورتوں کو پورا کرنے اور حق دار کے حقوق کو ادا کرنے کا انتظام نہیں کر سکتے ۔تو پھر ان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان ضرورتوں اور حقوق کے متعلق اس مرکزی اتھارٹی سے رجوع کریں جس کا یہ کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق اس دنیا میں اسلام کے اقتصادی نظام کو قائم کرے مثلاً ہمارے ملک میں تو ابھی تک گندم کی باتیں ہو رہی ہیں ۔مزدور کے پیٹ بھرنے کا مسئلہ حل طلب ہے لیکن وہ ملک جو ہر لحاظ سے ہم سے آگے ہیں وہ گندم کی سرحدوں سے نکل کر دودھ کی چراگاہوں (Pastures) میں داخل ہو چکے ہیں کیونکہ ان کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ نہ صرف سکول میں جانے والے بچوں کے لئے بلکہ دوسرے تمام آدمیوں کو بھی دودھ ملنا چاہئے ورنہ لوگوں کی صحت برقرار نہیں رہے گی ۔قرآن کریم نے گندم اور دودھ کی کوئی تمیز روا نہیں رکھی بلکہ یہ کہا ہے کہ میں نے ہر فرد واحد کی صحت اور تندرستی کا انتظام کیا ہے ۔ہر شخص کو اس کی عمر کے لحاظ سے پورے طور پر صحت مند اور توانا رکھنے کے لئے جس قسم کی غذاؤں کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے سامان پیدا کر دیئے ہیں ویسے عمر عمر کے لحاظ سے غذائیں بدل جاتی ہیں مثلاً ماں کی گود میں جو بچہ ہے وہ صرف ماں کے دودھ پر گزارہ کر سکتا ہے اور یہ غذا اس کی عمر کے لحاظ سے بہترین غذا ہے جب اسے ذرا ہوش آتا ہے دانت نکال لیتا ہے ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے تو اگر اس کے آس پاس کوئی کھانا کھا رہا ہو تو اس سے چھیننے کی کوشش کرتا ہے ۔پھر وہ دوسری غذا کھانی شروع کر دیتا ہے ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہاری صحت و تندرستی کو بہتر سے بہتر حالت میں رکھنے کے لئے ہر قسم کے سامان مہیا کر دیئے ہیں تمہیں وہ سامان ملنے چاہئیں ۔

پھر دوسرے ’’ازم‘‘ دوسرے اقتصادی نظاموں کی طرح اسلام صرف Bare Necessisties of Life یعنی خالی ضرورتوں ہی کا خیال نہیں رکھتا بلکہ جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں اسلام کا اقتصادی نظام یہ کہتا ہے کہ ہر شخص کو اچھی سے اچھی صحت کے میسر آنے ،اچھی سے اچھی حالت میں ذہن کو برقرار رکھنے بہترین اخلاق کے حاصل کرنے اور روحانیت میں بلند سے بلند تر ہوتے چلے جانے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ پیدا کی گئی ہیں اور وہ تمہیں ملنی چاہئیں تم ان کو تلاش کرو اور وہ لوگ جو کسی وجہ سے اپنے حقوق لے نہیں سکتے تم ان کے حقوق ادا کرو اور دلواؤ۔

اسلام نے کم سے کم پر آ کر خاموشی اختیار نہیں کی ، بلکہ اسلام ہر قوت کو، ہر استعداد کو، ہر قابلیت کو اس کے کمال میں دیکھنا چاہتا ہے اور جب سارے انسان بحیثیت مجموعی اپنی تمام قوتوں اور طاقتوں کے

ساتھ اپنی نشو ونما کے کمال کو پہنچ جاتے ہیں تو اسے کمال قرب الٰہی کا نام دیتا ہے، ایک دنیا دار شخص صرف دنیا کی طاقتوں کو استعمال کرتا ہے، اس کو دنیا مل جاتی ہے لیکن قرآن کریم کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں صرف دنیوی طاقتیں ہی نہیں دیں، بلکہ بے شمار جسمانی اور ذہنی اور اخلاقی اور روحانی قوتیں اور قابلیتیں بھی دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ تم ان قوتوں اور استعدادوں کو ان کے نشو ونما کے کمال تک پہنچا کر میرا کمال قرب حاصل کرو۔ یہی حقیقی عبادت کی اصل روح اور غرض ہے اور اسی لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔

غرض ہم اس مضمون کے اس حصہ کو اس رنگ میں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ حقیقی عبادت کا یہ ساتواں تقاضا دراصل اسلام کے اقتصادی نظام کو یہ حسن اور خصوصیت بخشتا ہے کہ جب ہر طاقتور اپنی طاقت کو اس رنگ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جاتا ہے کیونکہ اسے اپنی طاقت کو اس رنگ میں خرچ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی قوتیں اپنی نشو ونما کی انتہا تک پہنچ جائیں۔ لوگوں کے سارے حقوق ان کو مل جائیں اور ان کی ساری ضرورتیں پوری ہو جائیں۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۲؍ اکتوبر ۱۹۶۹ء صفحہ ۲ تا ۹)

☆......☆......☆